Shnakhat VOL- 3, ISSUE- 4, 2024
Online ISSN : 2709-7641
Print ISSN 2709-7633
Name of Publisher: **Shnakhat Research & Educational Institute**
Review Type: **Double Blind Peer Review**
Area of Publication: **Arts and Humanities (miscellaneous)**

Two Names of Transcendentalism and Modernity in Urdu Short Story: Ahmed Hamish and Anwar Qamar

اردو افسانے میں ماورائیت اور جدیدیت کے دو نام: احمد ہمیش اور انور قمر

Syed Azwar Abbas
Lecturer, Department of Urdu Hazara University Mansehra. syedazwarabbas@gmail.com
Syeda Humera Abid
PhD Scholar, Urdu Department Qurtuba University D.I Khan.
Dr. Parveen Kallu
Associate Professor, Urdu Department, Government College University Faisalabad.

Abstract
Ahmed Hamish was born on July 1, 1940 in Banspar, a small village in Ballia district of Uttar Pradesh, India. In 1962, one of his poems was published in Nusrat, a journal edited by Hanif Ramay. He claimed about this poem that it is the first prose poem in Urdu.After moving to Karachi in the early seventies, he was associated with the Hindi service of Radio Pakistan Karachi for some time. At the same time, when prose poetry took shape under the leadership of Qamar Jameel, Ahmed Hamish was one of its pioneers. However, before that he had established himself as an abstract fiction writer and his first collection of fiction "Mukhi" was published in India in 1968 and created a sensation. Thirty years later, in 1998, his second collection of fiction was published under the name "Kahani Mujhy Lakhti Hai" Anwar Qamar was introduced to the literary world as a story writer in the seventeenth year of the twentieth century and in the twenty-ninth year of his age. His first fiction titled "Nirwan" was published in the magazine "Tehreek" in 1970. Eight years later, his first fictional collection "Chandni Ke Supard" was published in 1978. After that, three more stories collections were published till 2008, "Chopal Mein Suna Howa Qissa" in 1984, "Color Blind" in 1990 and "Jhaaz Par Kiya Howa" in 2008. These four collections include about 60 stories. The thematic diversity provides proof of the author's power of observation, maturity and intellectual maturity. In the fictions of Anwar Qamar, the diverse and multiple forms of human life reflect the

Shnakhat VOL- 3, ISSUE- 4, 2024
Online ISSN : 2709-7641
Print ISSN 2709-7633
Name of Publisher: **Shnakhat Research & Educational Institute**
Review Type: **Double Blind Peer Review**
Area of Publication: **Arts and Humanities (miscellaneous)**

differences of age, gender and social background and the demands associated with this difference. This article based on the Transcendentalism and Modernity in the above two major fiction writers.

Key Words: Transcendentalism, Modernity, Ahmed Hamish, July 1, 1940, Banspar, Ballia, Uttar Pradesh, Hanif Ramay, Radio Pakistan Karachi, Qamar Jameel, "Mukhi", "Kahani Mujhy Lakhti Hai", Anwar Qamar, "Nirwan", "Tehreek", "Chandni Ke Supard", "Chopal Mein Suna Howa Qissa", "Jhaaz Par Kiya Howa", "Color Blind".

احمد ہمیش بنیادی طور پر شاعر ہیں لیکن انہوں نے افسانے بھی تحریر کیے ہیں۔ پاکستان کی نسبت ہندوستان میں ان کے افسانے زیادہ شائع ہوئے اور وہیں انہیں علامتی افسانے کے رہبر ناموں میں شامل کیا جاتا ہے۔ انہوں نے بعض چونکا دینے والی کہانیاں تخلیق کیں۔ ان کا شاہکار افسانہ "مکھی" ان کی شناخت کا ذریعہ بنا۔ وہ چونکہ بنیادی طور پر شاعری کے آدمی ہیں اس لیے ان کا آہنگ، علامتوں، استعاروں اور پیکروں کا آہنگ بھی شاعرانہ ہے۔ دوسری اہم بات جو ان سے متعلق کہی جاسکتی ہے وہ ان کے ہندوما کھالوجی پن سے قربت اور تاثر کی ہے۔ علامتوں کی تخلیق میں وہ انور سجاد کے قریب چلے چلتے ہیں اور ان کی کہانیوں کے دبستان آہنگ کے سبب ان پر انتظار حسین کی قربت کا احساس ہوتا ہے۔

افسانہ "مکھی" کا بنیادی آہنگ مارواڑی ہے اور موضوعی اعتبار سے بھی یہ افسانہ اس کے عمومی رویے یعنی انسان کی بیتی اور زاوال آمادہ رویے کا غماز ہے۔ اس افسانے کا کردار اس بیتی سے نکلنے کی کوئی شعوری کوشش نہیں کرتا بلکہ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ اسے کوئی دیکھ نہ لے:

> " ایک سال تک میں یہی سوچتا رہا کہ ممکن ہے کسی نے دیکھ نہ لیا ہو کیونکہ اس عرصہ میں وہ لگاتار میرے حلق میں اٹکی رہی۔ یہاں تک کہ اس عمل میں ایک ذاتی یکسانیت نے مجھے تھکا دیا۔ میں یہ بھول گیا کہ مرا کوئی نام ہے اور اس سے آگے حلق ہے اور حلق میں کوئی چیز اٹکی ہوئی ہے۔"(۱)

احمد ہمیش کا یہ کردار ایک طویل تذبذب کا شکار معاشرے کے ان دور وبست کا اظہار کرتا ہے۔ جس سے آج افسانہ نگار گزر رہا ہے اور اس حوالے سے احمد ہمیش اس گروہ میں ایک زندہ افسانہ نگار ہے۔ جو زندگی کو اس کی اصل میں دیکھنے کی صلاحیت اور اس لیے گزرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں کہ نشیب و فراز زندگی کے دورخ ہیں جن کے بغیر زندگی مکمل نہیں ہوتی۔

Shnakhat VOL- 3, ISSUE- 4, 2024
Online ISSN : 2709-7641
Print ISSN 2709-7633
Name of Publisher: **Shnakhat Research & Educational Institute**
Review Type: **Double Blind Peer Review**
Area of Publication: **Arts and Humanities (miscellaneous)**

احمد ہمیش نے اپنی کہانیوں کا مواد فرد کی زندگی کے داخلی تجربات، نفسیاتی کیفیات اور تاثرات سے حاصل کیا ہے اور اس کی ترتیب میں اظہار کے قدیم وجدید دونوں طریقوں کا استعمال کیا ہے اور ایسا اسلوب دریافت کیا جو منفرد اور دلکش ہے۔ان کے اسلوب کا ایک خاص وصف طنز ہے۔اس طنز سے وہ غم و غصہ یا کسی قسم کی جھنجھلاہٹ کا اظہار نہیں کرتے بلکہ اس میں خود کلامی کا لہجہ شامل ہے۔ احمد ہمیش کے افسانوں کی خاص خوبی ان کا رمزیہ انداز بیان ہے۔اس ضمن میں ''چھپکلی بے دیوار''،" بے زمینی" اور "گبرولا" قابل ذکر ہیں۔ "چھپکلی بے دیوار" کا موضوع بے زمینی و غریب الوطنی نظر آتا ہے۔ یہاں اجنبیت کے مسئلے کو تمثیلی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔چھپکلی دیوار سے گر گئی ہے جو کبھی اس کی ملکیت یا اس کی سلطنت تھی۔ حالانکہ اُس کے اور دیوار کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں ہے لیکن افسانے کے واحد بے نام کردار جمی نے کرسی پر بیٹھے ہوئے اُس کو گرتے دیکھا ہے۔ وہ یہ اٹل فیصلہ کر لیتا ہے کہ وہ دوبارہ دیوار پر نہیں چڑھ سکتی۔ یہ زمان و مکان کا جبر ہے جس کے آگے وہ بے کس و مجبور ہے۔اسی لیے سلطنت کی غلط فہمی میں فرش کو دیوار سمجھتی ہے ۔افسانے کے اختتام میں چند جملے گہری معنونیت رکھتے ہیں۔ یہ ان کی مختصر کہانی ہے جس میں ان کی اور کہانیوں کی طرح کسی غلاظت کا ذکر نہیں ہے۔البتہ انسانی نفسیات کا تجزیہ ملتا ہے۔''بے زمینی" میں بھی گہری تہہ داری پائی جاتی ہے۔ یہاں بھی افسانہ نگار نے تمثیلوں سے کام لیا ہے۔احمد ہمیش نے اپنے افسانوں میں اکثر جگہ نجی علامتیں استعمال کی ہیں۔ لیکن علامتوں کے استعمال میں وہ پاکیزگی وصفائی کا خیال نہیں رکھتے جس سے قاری کی طبیعت مکدر ہو جاتی ہے اور جھنجھلاہٹ میں وہ اس کے پیچھے چھپے مقاصد اور اس کی معنونیت کو بھی نظر انداز کر دیتا ہے۔اگر وہ اتنی گھناؤنی وغلیظ باتیں نہ کہیں تو ان کے افسانے کافی موثر ہو سکتے ہیں۔جیسا کہ "مکھی" افسانے کا پس منظر بیان کیا جا چکا ہے۔ بہر حال مکھی گندگی اور غلاظت کی علامت کے طور پر پیش ہوئی ہے،جو گندگی کی پیداوار ہے۔ دراصل یہ ہماری تہذیب اور معاشرے کے گھناؤنے پن کو ظاہر کرتی ہے اور اس میں ہر قسم کی بُرائی کی علامت ہے۔ چاہے وہ خارجی سطح پر ہو، چاہے باطنی سطح پر۔اس کہانی میں اسطوری عناصر کی جھلکیاں ملتی ہیں۔علامتی انداز ڈرتیج میں گرا ہوا قلم میں بھی موجود ہے جس میں افسانہ نگار نے گہرے طنز سے کام لیا ہے۔افسانہ "گبرولا" احمد ہمیش کے علامتی افسانوں میں بہترین سمجھا جاتا ہے۔علامت نگاری کا مکمل انداز اس افسانے میں موجود ہے۔افسانہ '' گبرولا" "بے زمینی" کے نہج پر لکھا گیا ہے۔ یہاں بے زمین انسان کو گبرولا کے روپ میں پیش کیا گیا ہے۔ بلکہ وہ اس کا ہمزاد بن گیا ہے گبرولا ایک ایسا کیڑا ہے،جو کھیتوں میں پایا جاتا ہے۔ گوبر اور کھاد اس کی خوراک ہیں۔وہ کسی طرح کھیت سے نکل کر قبرستان میں پہنچ جاتا ہے اور کہانی کے واحد متکلم کی نظر اس پر پڑ جاتی ہے۔اسے احساس ہوتا ہے کہ گبرولا اپنے مقام سے ہٹ کر بے زمینی کی کیفیت میں مبتلا ہے۔ ممکن ہے وہ یہاں اپنے رزق سے محروم ہو جائے اور بھوک سے تڑپ کر جان دے دے۔ کیونکہ قبرستان میں تو اسے صرف ہڈیاں ہی میسر آسکتی ہیں جو اُس کے مطلب کی خوراک نہیں۔ پھر ہڈیاں بھی بآسانی میسر کیسے ہو سکتی ہیں جبکہ گورکنوں کے بچے اکثر ہڈیوں کے ٹکڑے جمع کر کے انہیں آبادیوں میں لے جا کر بیچ دیتے ہیں۔ یہاں گہرا طنز ہے۔آدمی اتنا خود

Shnakhat VOL- 3, ISSUE- 4, 2024
Online ISSN : 2709-7641
Print ISSN 2709-7633
Name of Publisher: **Shnakhat Research & Educational Institute**
Review Type: **Double Blind Peer Review**
Area of Publication: **Arts and Humanities (miscellaneous)**

غرض ہو گیا ہے کہ اپنے اسلاف کی ہڈیوں کا بیوپار کرنے سے بھی نہیں چوکتا۔ یہی نہیں آج کل مٹی کے تیل کا مصرف بھی بدل گیا ہے۔ وہ گھر میں روشنی کرنے کے لیے بھلے ہی دستیاب نہ ہو لیکن کسی کا گھر پھونکنے کے لیے افراط سے مل جاتا ہے۔ اسی لیے کچھ دنوں سے تیل کے تاجر دوراندیش ہو گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پناہ گاہ کی مالکہ کے بچے لالٹین جلانے کے لیے تیل حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ بہر حال ''گبر ولا'' کو گھر لے آتا ہے لیکن مالکہ اسے منحوس قرار دیتی ہے جبکہ، میں، کا خیال ہے کہ گبر ولا ہی کی وجہ سے وہ اب بیدار ہوا ہے۔ اتنی تلاش اتنا تجس! اتنا تو اس سے پہلے اس میں کبھی پیدا نہ ہوا تھا۔ ورنہ بے حسی کا یہ عالم تھا کہ بھوک کی خالص ہندوستانی بیماری میں مبتلا ہونے کے باوجود کھانے کی کوئی چیز میسر آنے پر اسے اس کا استعمال بھی یاد نہیں رہتا تھا لیکن اب اس نے گبر ولا کی خوراک کا بندوبست کرنے کی ذمہ داری لی ہے اور وہ اس ذمہ داری کو نبھانے کی پوری کوشش کرتا ہے لیکن کئی دنوں کی تلاش کے بعد بھی اپنے ساتھی کی خوراک کا انتظام نہیں کر پاتا۔

اسی میں وہ اتنا محو ہو جاتا ہے کہ اپنے ارد گرد کا بھی اسے ہوش نہیں رہتا۔ افسانہ " گبر ولا' میں احمد ہمیش نے ملک کی سیاسی صورت حال پر طنز کیا ہے۔ حکومت کی پالیسی اور لوگوں کی ناسمجھی پر اسے حیرت ہے، جو صرف دس روپے گرانی الاونس کے لیے ایک میل لمبا جلوس نکالتے ہیں۔ نتیجے میں پانچ روپے گرانی الاونس بھی بمشکل منظور کیا جاتا ہے۔ کیا اس سے چوالیس کروڑ معدے بھر سکتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے چوالیس کروڑ معدے میں بند ہیں اور وہ ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ اس صورت حال کا سبب کیا ہے؟ کیا وجہ ہے کہ اکثریت یوں اقلیت کے سامنے بے دست و پا ہے؟ یہ ایک میل جلوس پھیل کر پورا ملک کیوں نہیں بن جاتا؟ شاید اس لیے کہ پھیلنے کا مطلب پولیس کی گولی کھانا ہے۔

پھر پورا ملک بھلا جان بوجھ کر کیسے مر سکتا ہے؟ اسی لیے ہوتا یہ ہے کہ خورد و نوش کی چیزوں سے گودام تو بھر جاتے ہیں لیکن غریبوں، مفلسوں، اور ناداروں کو حشرت الارض کی طرح زمین سے چن کر اپنی خوراک حاصل کرنی پڑتی ہے۔ جیسا کہ افسانے کے اختتام میں گڑ کی ریوڑیوں کے گودام میں بند کر دیئے جانے پر بوڑھا اور بھکاری عورت ٹرک کے نیچے کچلے گئے اور زمین پر پڑے دھول اور کولتار میں آئے چکی کے ٹکڑے اُٹھاتے ہیں۔ پھر وہاں ہجوم بڑھنے لگتا ہے اور اسی ہجوم میں گبر ولا واحد متکلم کی جیب سے پھسل کر اُس کی محویت اور ہجوم کے درمیان گر جاتا ہے۔ انجام ظاہر ہے ایسے ہی میں واحد متکلم چیخ پڑتا ہے۔

"گبر ولا" احمد ہمیش کے سب سے اچھا افسانہ ہے۔ اس کا بے نام بے مقام مرکزی کردار اپنی شناخت غیر انسانی کردار '' گبر ولا'' کے ذریعے کرواتا ہے جو تمام گرے ہوئے انسانوں کی علامت بن جاتا ہے۔ افسانے کی فضا ڈرامائی ہے جس میں ہندوستانی معاشرے کی غریبی اور گندگی کو بے رحمانہ حقیقت نگاری کے ذریعے پیش کیا گیا ہے۔ موت کی جبریت کے زیر اثر حشرت الارض کی طرح جینے والی یہ مخلوق گبر ولا کی مانند ہے۔ اس کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو احمد ہمیش نے طنزیہ انداز میں کہانی کے پانچ حصوں میں

Shnakhat VOL- 3, ISSUE- 4, 2024
Online ISSN : 2709-7641
Print ISSN 2709-7633
Name of Publisher: **Shnakhat Research & Educational Institute**
Review Type: **Double Blind Peer Review**
Area of Publication: **Arts and Humanities (miscellaneous)**

بیان کیا گیا ہے۔ "کہانی مجھے لکھتی ہے" اُن کی بیشتر کہانیوں کی طرح اُن کی آپ بیتی نظر آتی ہے۔ جس میں ماضی کی زندگی کی بازیافت ہے۔ اس کا اظہار انہوں نے بھرپور اعتماد اور بے خوفی سے کیا ہے۔ اس افسانے میں تنہائی کا احساس خالی پن اور اُس سے پیدا ہونے والا کرب صاف ظاہر ہوتا ہے۔ احمد ہمیش نے طویل افسانے بھی لکھے ہیں اور اس کا مزاج بھی علامتی ہے۔ گویا احمد ہمیش سب سے پہلے اپنے موضوع کو حسیات کی سطح پر اپنے ذہن و دماغ میں قید کر لیتے ہیں۔ اس طرح کہ جب وہ تخلیقی عمل سے گزرتے ہیں تو اختتام تک رخنے کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوتی۔ حالانکہ ان کے موضوعات کی تہہ داری افسانہ میں افسانہ چھپانے کا عمل بھی ہے۔ یعنی ایک ہی افسانہ کئی شاخوں میں پھیلتا ہوا نظر آتا ہے اور ہر شاخ پر الگ الگ کہانی لکھی جا سکتی ہے۔ احمد ہمیش کے یہاں ان کا ماضی ہر چند کہ دردناک ہے لیکن وہ تخلیقی بوجھ نہیں۔ اس لیے کہ وہ ماضی انہیں محترک بنائے رکھتا ہے اور وہ تخلیقی عمل سے گزرے ہوتے ہیں۔ احمد ہمیش نے بجا طور پر دوسرے علامت نگاروں سے اپنے آپ کو علیحدہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا مقصد محض فنی کہانی ڈھالنا نہیں یا لوگوں سے مصنوعی طور پر مختلف نہیں ہے بلکہ جذبے کی تطہیر ہے اور تطہیر کی تشفی بخش تخلیق ہی ممکن ہے۔

احمد ہمیش کے افسانوں میں زبان و بیان سے بے نیازی کا احساس ہوتا ہے۔ ان کے یہاں جملوں کی ساخت لفظوں کے انتخاب اور عبارت کی ترکیب و ترتیب کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ زبان کی مجموعی آہنگ اور اُس کی باریکیوں سے بے نیاز ہیں۔ اس بے نیازی کی وجہ ان کے مزاج کا لاابالی پن اور حقائق کی تلخی اور بے رحمی کے ساتھ ان کی پیش کش ہے۔ یہی ان کا مقصد رہا ہے، اسی لیے انہوں نے عبارت اور زبان کو سجانے سنوارنے کی شعوری کوشش کبھی نہیں کی۔ البتہ بظاہر بے معنی نظر آنے والی تحریر میں گہری معنونیت ہوتی ہے۔ اس طرح عبارت میں تہہ داری کا وصف پایا جاتا ہے۔ اکثر حقائق کے بیان کے دوران وہ خود اپنی شخصیت کے بچے بھی ادھیڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ اگر یہ شعوری کوشش ہے تو ان کے فن کی سچائی کا ثبوت ہے۔ بہر حال احمد ہمیش اپنے منہاج اور تخلیقی روش کے لحاظ سے اردو ادب میں ان کی منفرد جگہ ہے۔

انور قمر

انور قمر ان جدید افسانہ نگاروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ جنھوں نے جدیدیت کے صحیح مفہوم کو سمجھا اور اسے صحیح طریقے پر اپنے افسانوں میں برتا۔ وہ ایک خلاق ذہن کے مالک ہیں جس کی مثالیں ان کے پہلے افسانوی مجموعے "چاندنی کے سپرو (۱۹۷۸ء)" میں ملتی ہیں۔ ان کا پہلا افسانہ "نروان ۱۹۷۱ء" میں چھپا۔ انہوں نے انگریزی ادب کا بغور مطالعہ کیا جس کا اثر ان کے فن پر پڑا۔ اسی لیے ان کے موضوعات میں ندرت اور وسعت پائی جاتی ہے۔ انور قمر موضوع کے انتخاب میں بڑی سوجھ بوجھ کا ثبوت دیتے ہیں اور ٹھوس اور سنجیدہ مسائل پر طبع آزمائی کرتے ہیں اور ان کے بیان میں رنگینی اور بے جا آرائش و زیبائش سے احتراز کرتے ہیں۔

Shnakhat VOL- 3, ISSUE- 4, 2024
Online ISSN : 2709-7641
Print ISSN 2709-7633
Name of Publisher: **Shnakhat Research & Educational Institute**
Review Type: **Double Blind Peer Review**
Area of Publication: **Arts and Humanities (miscellaneous)**

معاشرہ میں اخلاقی وروحانی اقدار کی زوال پذیری، مذہبی عقائد کی بے اثری اور فرد کے استحصال کے پس پردہ جو سماجی و سیاسی محرکات کارفرما ہوتے ہیں انہیں وہ علامتوں کے ذریعہ پیش کرتے ہیں۔ان کیفیات کو خود پر گزار کر اور اسے اپنا ذاتی تجربہ بنا کر اس طرح بیان کرتے ہیں کہ قاری کو وہ خود اپنی واردات قلب معلوم ہوتی ہیں۔ وجودی فنکاروں کی طرح ان کی تقریباً سبھی کہانیوں میں ایک خاص قسم کا ڈر، خوف، یاسیت اور محرومی مختلف اشکال میں موجود ہوتے ہیں۔ باطن میں غوطہ زنی کر کے اس کی گہرائیوں تک پہنچ کر ذات کی تلاش کا عمل ان کے یہاں بھی ملتا ہے۔انور قمر کے افسانوں میں عصری حسیت پائی جاتی ہے۔انہوں نے اہم بنیادی مسائل جیسے اقدار اور رشتوں کی شکست وریخت، زندگی کی یکسانیت سے بیزاری کا اظہار، ماحول اور حالات کو سازگار بنانے کی مسلسل جدوجہد کو جس کا نتیجہ عموماً نارسائی اور ناآسودگی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

انور قمر نے بیانیہ انداز بھی اپنایا ہے اور علامتی اسلوب میں بھی افسانے لکھے ہیں۔ کہانی پن کے وصف نے ان کے افسانوں کو دلچسپ بنا دیا ہے۔انہوں نے استعاراتی زبان کا مناسب استعمال کیا ہے جو کسی شعوری کوشش کا نتیجہ نہیں، اس لئے اس کا سبب کسی قسم کا ڈر یا خوف نہیں بلکہ ان کا ماننا ہے کہ زیادہ تہ دار بنانے اور بہتر ڈھنگ سے کہنے کے لیے وہ علامات واستعارات کا استعمال کرتے ہیں۔ان کے یہاں تضادات کو ابھارنے کا رجحان ملتا ہے۔ان کے یہاں قصے اور کرداروں کا نشوونما فطری انداز میں ہوتا ہے۔ان کے کردار اپنے تمام تر روحانی زوال کے باوجود غیر فطری نظر نہیں آتے۔اس لحاظ سے انہوں نے کردار نگاری کے اچھے نمونے پیش کیے ہیں۔

مذکورہ باتوں کے علاوہ ان کے افسانوں کا خاص خوبی ان کی ذات کا کرب کا اظہار ہے۔وہ کرب انہیں ماحول اور ماحول کے زیر اثر حاصل ہونے والی تربیت ہے۔ بہر صورت اپنے تجربے کی وسعت اور مشاہدہ کی گہرائی کی روشنی میں انہیں زندگی جس رنگ میں نظر آئی، انہوں نے اسے ہو بہو اسی رنگ میں پیش کر دیا۔افتخار امام صدیقی انور قمر کی ذہنی کیفیت کے تعلق سے فرماتے ہیں:

> ''جو آپ (انور قمر) کے لاشعور میں پنہاں ہیں اور جن کا تعلق آپ کی تربیت اور ماحول سے ہے اور جن سے آپ آج بھی نبرد آزما ہیں اور جو آپ کی کہانیوں میں خاص طور پر نمایاں ہیں صرف ایک افسانے 'جیک اینڈ جل اور میرا بیٹا سے اس کی مثال دی جاسکتی ہے۔''(۲)

انور قمر اپنے افسانوں کا خمیر سماج اور فرد سے حاصل کرتے ہیں۔ سماج، فرد کا محافظ بھی ہے اور فرد کی خدمات کا محتاج بھی۔ سماج وفرد دونوں ایک دوسرے کے حالات سے بیزار ہوتے رہتے ہیں اور ظاہری بات ہے جو فرد زندہ دل رکھتا ہو، وہ سماج اور فرد دونوں کو بیزارگی کی کیفیت سے نجات دلانے کی ہر ممکن کوشش کرتا رہتا ہے۔ وہ کوشش فرد کے اعمال میں مختلف اشکال بن کر اُبھرتے ہیں۔

Shnakhat VOL- 3, ISSUE- 4, 2024
Online ISSN : 2709-7641
Print ISSN 2709-7633
Name of Publisher: **Shnakhat Research & Educational Institute**
Review Type: **Double Blind Peer Review**
Area of Publication: **Arts and Humanities (miscellaneous)**

کبھی احتجاجی اقدام کے ذریعہ، تو کبھی تقریر و تحریر کے ذریعہ۔ الغرض انور قمر اپنے افسانوں میں ان ہی حالات کو موضوع بنایا۔ انور قمر اپنے بارے میں فرماتے ہیں:

> ''فن کار جان بوجھ کر موضوع کا انتخاب نہیں کرتا۔ خاص کر افسانہ نگار یا کوئی تخلیق کار، وہ موضوع نہیں ڈھونڈتا یا ایسا نہیں ہوتا کہ کسی کلاس روم میں یا کالج کی سطح کے جو پرچے ہوتے ہیں، اس میں موضوع دیا جاتا ہے جس پر وہ طبع آزمائی کرے۔ موضوع کا تعلق اس تجربے سے ہے جس سے وہ دوچار ہوا ہے۔ تجربے کا جو عمل تخلیق کار پر ہوتا ہے اور وہ مجبور کرتا ہے کہ اپنے رد عمل کا اظہار کرے، کسی بھی فورم میں۔ شاعر ہے تو وہ نظم کے فورم میں کرے گا، افسانہ نگار ہے تو افسانہ کے فورم میں کرے گا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی ایک واقعہ یا کوئی تجربہ تخلیق کار Hunt کرتا رہتا ہے اور اس کی تشفی نہیں ہوتی اور وہ اسے بار بار افسانے میں اور افسانے کے ذریعہ جب تک وہ مطمئن نہ ہو، اس کا اظہار کرتا رہتا ہے۔''(۳)

اپنے افسانوں کے متعلق ان کی اپنی رائے بھی حقیقت سے دور نہیں ہے۔ ان کی تخلیقات میں مٹھاس کم اور تلخی و جھنجلاہٹ زیادہ ملتی ہے جو ان کی اپنی فطرت میں بھی کھلی ملی ہے اور جس کا وہ خود اعتراف کرتے ہیں۔ وہ لفظوں کے انتخاب اور جملوں کی ترکیب کا خیال رکھنے کی کوشش ضرور کرتے ہیں لیکن زبان کی غلطیوں سے ان کی عبارت پاک نہیں ہے۔ یہ نقص ان کے کئی افسانوں میں پایا جاتا ہے۔ افتخار امام صدیقی، انور قمر کے افسانوی دنیا کا حاطہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''انور قمر کے یہاں موضوعاتی وسعت تو ہے اور اس کے دو اسباب ہو سکتے ہیں۔ ایک تو مغربی فکشن کا گہرا مطالعہ اور اس کی اثر پذیری اور قوت مشاہدہ۔ افسانوں کے عنوانات اور ان کی فضا اس کا ثبوت ہیں اور بعض جگہ تو یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ اثر پذیری کچھ زیادہ ہی ہے۔ دوسری بات یہ کہ زبان و بیان کی غلطیاں اور الفاظ کے استعمال پر آپ قدرت نہیں رکھتے۔ حالاں کہ آپ شعوری طور پر لفظوں کے انتخاب اور اس کی نشست کے لئے بہت زیادہ سنجیدہ نظر آتے ہیں۔ افسانوں میں ان کا اختتام اس جھنجھلاہٹ کی غمازی کرتا ہے جو افسانے کی فضا اور اس کے اسلوب کو مجروح کرتا ہے۔ موضوعات میں ندرت اور تازگی کا جو احساس آپ کے افسانوں سے اُبھرتا ہے، اس میں وہ شدید وحدت تاثر نہیں

Shnakhat VOL- 3, ISSUE- 4, 2024
Online ISSN : 2709-7641
Print ISSN 2709-7633
Name of Publisher: **Shnakhat Research & Educational Institute**
Review Type: **Double Blind Peer Review**
Area of Publication: **Arts and Humanities (miscellaneous)**

جو ہونا چاہئے اور اس کی وجہ وہ الجھاؤ ہیں وہ گتھیاں ہیں، جن میں آپ کی شخصیت لپٹی ہوئی ہے۔ آپ نے اپنی شخصیت کو ان گتھیوں سے یا الجھاؤ سے نکالنے کی جو مزاحمت کی ہے، اس کا ثبوت "ہاتھوں کی قطار"، 'قیدی" ، "گرمی"، "جیک اینڈ جل" اور "میرا بیٹا" ہیں۔"(۴)

مذکورہ بالا اقتباس افسانہ نگار انور قمر کے افکار، تجربات، ادبی لیاقت، ذہنی کشمکش، نفسیاتی کیفیت کی ترجمانی کرتا ہے۔

بہر حال انور قمر اردو افسانہ نگاروں کی فہرست میں اپنے چند شاہکار افسانے "جیک اینڈ جل"، "میرا بیٹا"، "قیدی"، "میروم"، "کشتی"، "ڈر"، "چاندنی کے سپر" و "کیلاش پربت" اور 'چوراہے پر ٹنگا آدمی" وغیرہ کی وجہ سے شامل ہیں۔

"جیک اینڈ جل"، "میرا بیٹا" اور "قیدی" میں بچوں کی نفسیات پیش کی ہیں۔ "قیدی" کی کہانی خود ایک بچے کی زبانی بیان ہوئی ہے۔ جو اپنے اور قیدیوں کے مابین گہری مماثلت محسوس کرتا ہے۔ قیدی اپنے جمعدار کے زک اُٹھاتا ہے اور وہ اپنے باپ کی ظالمانہ فطرت اور بد سلوکی کا شکار ہوتا ہے، جو اسے ہر قسم کی آزادی اور خوشی سے محروم رکھتا ہے۔ اسے قیدیوں کو ڈانٹتے یا ہنٹر سے پیٹتے جمعدار اور اپنے بے رحم باپ میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا اور وہ خود ایک ستم رسیدہ قیدی تصور کرنے لگتا ہے۔

ایک بار وہ کالونی کا احاطہ کرنے والی وسیع و عریض دیوار کے اس پار جانے کی کوشش کرتا ہے، لیکن دربان اسے باہر نہیں نکلنے دیتا۔ اس کی پتنگ کی مانند فضاؤں میں آزادانہ پرواز کرنے کی خواہش دل ہی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اور جب وہ واپس آتا ہے تو اسے پتہ چلتا ہے کہ قیدی اپنے جمعدار کو مار پیٹ کر فرار ہو چکے ہیں۔ اس خبر سے اسے ایک فطری خوشی کا احساس ہوتا ہے اور اس کے دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے کہ وہ بھی فوراً کسی سے بیڑیاں کاٹنے کا ہنر سیکھ لے۔ افسانہ کشتی، انور قمر کا ایک علامتی افسانہ ہے۔ یہ افسانہ انسان کی ذہنی کرب کا آئینہ ہے۔ اس کے سارے واقعات علامتی پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ آسمان پر دم دار تارے کا نمودار ہونا ہستی کے بوڑھوں کے مطابق قہر الٰہی کی علامت ہے۔ سمندر میں آگ کا دکھائی دینے سے لے کر ڈراؤنی آواز کا سنائی دینا عنقریب مستقبل میں دہشت، تنہائی، نحوست اور اضطرابی کیفیت کا نمودار ہونے کی علامت ہے۔ لڑکی کا بھائی کی موت سے لے کر بوڑھی عورت کے بیٹوں کا سمندر میں گم ہو جاتا ہے جو مچھلی پکڑنے کے لیے گئے تھے اور ان لوگوں کی واپسی کی امید کرنا غموں میں مبتلا انسان کی نفسیاتی کیفیت کی علامت ہے اور ساتھ ہی معاشی اور سماجی پستی کی علامت ہے۔

اس افسانہ کی کہانی کچھ یوں ہے کہ سمندر کے کنارے مچھیروں کی ایک مفلوک الحال بستی ہے۔ ایک لڑکا جس کی عمر نو سال کی تھی، اس کے چھوٹے بھائی کی موت بچھو کے ڈنک مارنے سے ہو جاتی ہے۔ اسے کافی غم ہوتا ہے۔ بھائی کے مرنے پر وہ سمندر سے ناراض اور شکایت کرتا ہے کہ آخر میرا بھائی کا قصور و جرم کیا تھا جسے مرنا پڑا لیکن جب اسے پیغمبر نوح اور یونس کے قصے سنائے

Shnakhat VOL- 3, ISSUE- 4, 2024
Online ISSN : 2709-7641
Print ISSN 2709-7633
Name of Publisher: **Shnakhat Research & Educational Institute**
Review Type: **Double Blind Peer Review**
Area of Publication: **Arts and Humanities (miscellaneous)**

جاتے ہیں تو اس کے اندر روحانی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اب غمگیں رہنے کے بجائے نئے جوش وجذبہ کے ساتھ زندگی گزارنے کی ہمت پیدا کرتا ہے۔ اسی بستی میں ایک بوڑھی عورت رہتی تھی۔ وہ اپنے بیٹوں کے سمندر میں گم ہونے پر غمگیں رہتی ہے، جو گھر کے معاشی حالات کی بہتری کے لیے سمندر میں مچھلی پکڑنے گئے تھے۔ جواب تک مہینوں بعد لوٹ کر واپس نہیں آئے لیکن بوڑھی بیٹوں کی واپسی کی اُمید لگائے بیٹھی رہتی ہے کیونکہ جب کسی کے آنے کی آہٹ سنتی ہے تو اس سے مخاطب ہو کر بیٹوں کے متعلق دریافت کرتی ہے۔ اتفاقاً ایک کشتی جو سمندر کے کنارے آکر لگتی ہے تو اس میں چند نیم مردہ جسم دکھائی دیتا ہے، جو اس بستی کے اجنبی تھے۔ بوڑھی عورت اپنے بیٹوں کو ہونے کا دعوے دار کرتی ہے لیکن جب بھیڑ میں سے جواب نفی میں ہوتا ہے تو بیٹوں کے بجائے بھائی ہونے کا ضد کرتی ہے اور اسے گھر لے جاکر خاطر داری کرنا چاہتی ہے لیکن ان لوگوں میں اس بوڑھی عورت کا بھائی نہیں ہوتا۔

اس طرح انور قمر نے اس افسانے میں اپنوں سے بچھڑ جانے پر انسان کے ذہنی کرب میں مبتلا اس کی نفسیاتی کیفیت کا اظہار کیا ہے۔ افسانہ کشتی کو اگر سائنسی ترقیات کی روشنی میں دیکھا جائے تو بہت سارے علامتی پہلو نکل آئیں گے۔ سائنسی ترقی سے جہاں فائدے ہوئے ہیں وہاں نقصانات کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ خصوصی طور پر خوش حال اور سیدھی سادی تہذیب کی جگہ پیچیدہ تہذیب آباد ہو گئی ہے۔ کائنات کی چھوٹی چیز سے لے کر انسان اور دیگر جاندار اور غیر جاندار چیزیں سائنس کے منفی اثرات سے متاثر ہیں۔ جنگلات کی بستی اجاڑی جارہی ہے اور صنعتی بستی آباد کی جارہی ہے جس کی وجہ سے آب وہوا غیر معتدل ہو گئے ہیں۔ ان صورتوں کی بنیاد پر جب بستی کے بوڑھے لوگ آسمان پر دم دار تارے دیکھتے ہیں تو مختلف قسم کی آفتیں اور مصائب کا نزول ہونے کی پیشین گوئی کرتے ہیں۔ افسانہ "کشتی" کی چند سطریں دیکھئے:

> ''آسمان پر ابھی کچھ عرصہ پہلے دم دار نمودار ہوا تھا اور کئی دن تک دھیرے دھیرے آگے بڑھتا دکھائی دیتا رہا تھا۔ بستی کے بڑے بوڑھوں کا خیال تھا کہ اب کے سال آسمان سے عذاب اُترے گا۔ بڑی تباہی اور غارت گری ہو گی۔ قحط پڑے گا، زلزلے آئیں گے (۵)''۔

دم دار تارے کو بستی کے آسمان پر گزرے ہوئے ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے تھے کہ بستی والوں کو سر شام سمندر کی سطح پر اور وہاں جہاں اس کا دامن آسمان سے مل رہا ہوتا، آگ کی لپٹیں دکھائی دینے لگیں۔ لوگ دیکھتے اور حیران پریشان ہوتے کہ آگ اور وہ بھی سمندر میں کیسے لگ جاتی ہے؟ چند روز بعد ان کی حیرانی خوف میں بدل گئی جس کے سبب مچھیرے سمندر میں دور تک مچھلیاں پکڑنے کو جانے سے گریز کرنے لگے اور جب وہ مچھلیاں پکڑنے نکلتے تو ان کے عزیز واقارب اس وقت تک فکر مند اور بے قرار رہے جب تک سب بہ عافیت لوٹ نہ آئے:

Shnakhat VOL- 3, ISSUE- 4, 2024
Online ISSN : 2709-7641
Print ISSN 2709-7633
Name of Publisher: **Shnakhat Research & Educational Institute**
Review Type: **Double Blind Peer Review**
Area of Publication: **Arts and Humanities (miscellaneous)**

> ''بستی والوں کے دلوں میں خوف و دہشت کی کیفیت نے اس وقت اور شدت اختیار کر لی، جب انہیں بہت سی انجان اور ڈراؤنی آوازیں اندھیروں میں سنائی دینے لگیں۔ ان کا دن کا چین حرام ہو گیا اور رات کی نیند رات کے گھپ کا فور ہو گئی۔ وہ رات گئے تک چوپال میں بیٹھے اور ان آفات پر تبادلہ خیال کرنے لگے مگر کوئی بھی شخص کوئی معقول سبب بیان نہ کر سکا اور کوئی ان مصائب کو دم دار تارے ہی کے اثرات اور نتائج بتانے لگا۔''(۶)

آسمان پر دم دار تارے دکھائی دینا، آسمان کے دامن میں اڑتے اڑتے جہازوں، راکٹوں اور میزائلوں کی علامت ہے۔ زلزلے، قحط اور دیگر قسم کی تباہی کا آثار زمین پر عدم جنگلات کی علامت ہے کیونکہ کثرت جنگلات سے ہی آب و ہوا معتدل ہوتی ہے جس کی وجہ سے قحط کے آثار کم رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ زمین کی پائیداری رہتی ہے اور زلزلے کا امکان نہیں رہتا۔ بہت سی انجان اور ڈراؤنی آواز میں صنعتی میدانوں سے مشینوں کی گڑگڑاہٹ کی آوازوں کی علامت ہے:

> ''بستی جس جزیرے پر واقع تھی، اس کے ایک حصے میں درختوں کے جھنڈ تھے اور ان درختوں پر رنگ برنگے پرندے بسیرا کرتے تھے۔ لڑکا ان کیکڑوں کے گرد انگلیوں سے دائرے بھینچ کھینچ کر اپنے تصور میں ان کی حد بندی کر رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک منحنی سی ڈالی جس پر بمشکل تمام چار چھ سبز پتے لگے تھے، فضا میں لہراتی ہوئی آئی اور اس کے سامنے بچھ گئی۔ اس نے اوپر دیکھا۔ ایک سہ رنگی پرندہ اس کے سر پر سے گذر رہا تھا۔ لڑکے نے ڈالی کو اچھے شگون کی علامت سمجھ کر اُٹھا لیا اور اسے اپنے کان میں اڑس لیا۔''(۷)

درختوں پر رنگ برنگے پرندے کا بسیرا خوش حال تہذیب کی علامت ہے، جہاں انسان آزادانہ طور پر بلاف خوف و خطر زندگی گزار رہا تھا، گو اب یہ حالت مفقود ہے۔ کیکڑوں کے ارد گرد دائرے کھینچنا صنعت کاروں اور سرمایہ داروں کی حد بندی کرنے کی علامت ہے۔ یہاں کیکڑا صنعت یعنی صنعتی بستی کی علامت ہے۔ ہوا میں لہراتی ہوئی ست رنگی پرندوں کے ذریعہ چار چھ سبز پتے انسانوں کو زمین پر پیڑ پودے (جنگلات) لگانے کی علامت ہے۔ سبز خوش حالی اور اچھے دنوں کی علامت ہے۔ ہوا میں لہراتی ست رنگی پرندے آزادانہ طور پر آسودگی اور معتدل آب و ہوا اور خوش حال و پُرامن تہذیب کی علامت ہیں:

Shnakhat VOL- 3, ISSUE- 4, 2024
Online ISSN : 2709-7641
Print ISSN 2709-7633
Name of Publisher: **Shnakhat Research & Educational Institute**
Review Type: **Double Blind Peer Review**
Area of Publication: **Arts and Humanities (miscellaneous)**

"جب رات ہونے لگی اور سمت بتانے والا تارا نکل آیا تو وہ بھی اپنے گھر کو چلا۔ ریت پر
اس کے پیروں کے نشان پڑتے گئے اور اس کے دم کے تمام گوشوں سے اپنے ننھے بھائی
کی موت کا غم محو ہوتا رہا۔"(۸)

سمت بتانے والا تارا نکلنا مستقبل کی علامت ہے۔ انسان کو حال سے زیادہ مستقبل میں بہتری کی اُمید رکھنی چاہئے۔ ریت پر پیروں کا نشان ماضی کے تلخ یادوں کی علامت ہے کیونکہ انسان اپنی زندگی کا جائزہ لیتا ہے۔ انسان جتنی بھی ترقی کر لے کبھی بھی ماضی کے تلخ واقعات و حالات سے نجات حاصل نہیں کر سکتا۔ اس لئے وہ لڑکا آخر میں تمام تر روحانی قوتوں کے باوجود اپنے بھائی کے غم سے نجات نہیں پاسکا۔ شہری زندگی کا ایک اور رخ "چوراہے پر ٹنگا آدمی" میں ملتا ہے، جہاں لوگ زندگی کی یکسانیت سے بیزار ہو گئے ہیں۔ زندگی کا پہیہ جس محور کے گرد گھوم رہا ہے، وہ سالہا سال سے ایک ہی جگہ پر قائم ہے۔ جب تک اس کو بدلا نہ جائے گا، زندگی کا پہیہ یونہی ایک ہی رفتار سے اس کے گرد گھومتا رہتا ہے۔ اسی لیے اس افسانے کے مرکزی کردار کی خواہش ہے کہ یہ محور ہی بدل جائے اور ایک نیا، انوکھا اور اچھوتا محور ہوتا کہ روکھی پھیکی، بے رنگ زندگی کو نئے رنگ میں ملیں۔ اس نئے عزم و ارادے کو لے کر اور اپنے اطراف بکھرے جمِ غفیر کے دلوں میں آرزوؤں اور امنگوں کی نئی جوت جلا کر وہ انہیں کے سہارے دوبارہ زمین پر اتر آتا ہے۔ وہ سب اس کی طرف بڑی گرم جوشی سے بڑھتے ہیں تاکہ اس نئے محور کا پتہ لگائیں۔ کیونکہ وہ سب بھی اپنی زندگی کے پہیے کو ایک ہی غیر متحرک محور پر گھماتے گھماتے بور ہو گئے تھے، بے زار ہو گئے تھے، تھک گئے تھے اور اس نے وہ جو تازگی، فرحت اور کشادگی کی بات کہی تھی، انہیں بہت پسند آئی تھی لیکن یہ دیکھ کر وہ حیران رہ جاتے ہیں کہ بالکل میکانکی انداز میں وہ شخص اپنی زندگی کے روزمرہ کے معمولات کو دہرا رہا ہے۔ اس کی زندگی کا پہیہ اس پرانے محور کے گرد گھوم رہا ہے۔ تکنیکی نقطہ نظر سے یہ افسانہ اہم ہے اور ان کے فن کو نئی جہت عطا کرتا ہے۔

غرض ان کے بیشتر افسانے موضوعات سے نمو پاتے ہیں۔ انہوں نے تکنیکی تجربات کم ہی کئے۔ اس ضمن میں "پلانے ٹیریم" قابل ذکر ہے جس میں علامتی اور تجریدی عناصر کی جھلکیاں ملتی ہیں۔

"چاندنی کے سپرد" کا مرکزی کردار حالات کی جبریت کا شکار ہے۔ یہ ایک چست و چالاک، ذہین و صحت مند، نفاست پرست اور سلیقہ مند شخص کلورام کی زندگی کا المیہ ہے جو ایک کچھڑا گاڑی کی سات سالہ ملازمت میں نجمی، ست، کند ذہن، بیمار، بدذوق اور کاہل کلوا کے روپ میں ڈھل جاتا ہے۔ گندگی اور غلاظت ہی اب اس کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ اس کی جمالیاتی حس بالکل ختم ہو چکی ہے۔

اسی لیے اسے اب بدنما اور بدہیئت شکلیں اچھی لگتی ہیں۔ حسن، خوشبو، رنگ و نور سے اسے کراہیت محسوس ہوتی ہے۔ جب اس کے نتھنوں میں بدبو سرایت کرتی ہے تو اسے سرور سا آنے لگتا ہے۔ اسی لیے کام سے لوٹنے کے بعد کینو، اس کے جوتے اور نائیلون

Shnakhat VOL- 3, ISSUE- 4, 2024
Online ISSN : 2709-7641
Print ISSN 2709-7633
Name of Publisher: **Shnakhat Research & Educational Institute**
Review Type: **Double Blind Peer Review**
Area of Publication: **Arts and Humanities (miscellaneous)**

کے موزے سونگھنا اس کا محبوب مشغلہ بن گیا ہے۔ ہر پل لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں جراثیم اس کے بدن میں مختلف ذرائع سے داخل ہوتے رہتے ہیں جس کے سبب اس کی صحت کو گھن لگ گیا ہے جس کا احساس کہانی کے اختتام میں اس کے چیف آپریٹنگ سپر نٹنڈنٹ سکھ دیو کو ہوتا ہے اور وہ صورت حال کو بدلنے کا عہد کر لیتا ہے۔ بہر حال اپنے مزاج اور پسند کے بر خلاف زندگی بسر کرنے کے کرب کو مؤثر پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ اس افسانے میں انسان کی فطرت کو علامتی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ڈر میں ٹرین کے فٹ بورڈ پر سفر کرنے والوں کی نفسیات بیان کی گئی ہیں۔ اس طرح سفر کرتے ہوئے ان کی زندگی اور موت کے درمیان فاصلہ بہت کم رہ جاتا ہے۔ پل صراط کا یہ سفر بڑا خطرناک اور صبر آزما ہوتا ہے۔ یہاں بڑے شہروں کی برق رفتار زندگی کی اچھی عکاسی علامتی پیرائے میں کی گئی ہے۔ جس نے ہر فاصلے کو کم سے کم کر دیا ہے۔ انور قمر کے افسانوں میں زمانی تسلسل نہیں ملتا۔ افسانے کے آغاز، وسط، نقطہ عروج اور اختتام میں منطقی ربط و ہم آہنگی نہیں ملتی۔ واقعات خود رو پودے کی طرح افسانے کی زمین پر اگتے، بڑھتے اور پھیلتے چلے جاتے ہیں۔ ان میں معنی کی تہ داری کے سبب افسانہ نگار کا نقطۂ نظر دب سا جاتا ہے۔ واقعہ کی طرح کردار بھی آزادانہ فضا میں عمل پیرا ہوتے ہیں۔ انور قمر کے افسانوں کے کردار کی شناخت ان کے ظاہری اعمال اور ان کے نام سے نہیں بلکہ ان کی ذہنی کیفیات سے ہوتی ہے۔ جن کا بیان علامات، تمثیلات، استعارات کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ گویا یہ کردار پر چھائیں کی شکل میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اس کی پردہ در پردہ پوشیدہ شخصیت کی اصلیت و ماہیت کا پتہ لگنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہے۔ ایسے دیدہ ور قاری کم ہوتے ہیں جو تہہ در تہہ پرتوں کو ہٹا کے کرداروں کی اصل شخصیت تک پہنچ پاتے ہیں۔ اسی لیے ایسے افسانے تفہیم و ترسیل کا مسئلہ پیدا کرتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ "مکھی" از احمد ہمیش، مشمولہ، مکھی، شاک پوائنٹ، حیدر آباد، ۱۹۶۸، ص ۷۶

۲۔ افسانہ اور افسانہ نگار، مرتبہ: نوشاد منظر، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۲۰۱۴ء، ص: ۳۲۷

۳۔ ایضاً، ص: ۲۹۷

۴۔ ایضاً، ص: ۳۱۷

۵۔ "کشتی" از انور قمر، مشمولہ، بلائنڈ قلم پبلیشرز، ممبئی، ۲۰۰۵، ص ۸۳

۷۔ ایضاً، ص ۹۰

۸۔ ایضاً، ص ۹۶